Vol. 7 No.1 2024

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7615

# محمد حمید شاہد کی تنقیدی جمالیات

# Muhammad Hameed Shahid's Critical Aesthetics

۱۔ڈاکٹر محمد کامران شہزاد، وزٹنگ لیکچرار شعبۂ اُردو، یونیورسٹی آف سر گودھا

۲۔ڈاکٹرفرزانہ ریاض،اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو جی سی یونیورسٹی لاہور

۳۔احتشام الحق ،شعبہ اردو یونیورسٹی آف صوابی

## Abstract:

*In any society, a creator, makingpolitical, social, religious and economic problems his subject creates a piece of art. At the same time, he has a unique critical view on the texts of contemporary writers.The name of "Muhammad Hameed Shahid" is important among such contemporary creators because he is simultaneously a fiction writer and a critic of fiction.His uniqueness in Urdu criticism is that he applies his critical insight to different genres, styles and topics. So far, he has published five fiction collections, one novel and several books on the criticism of various genres of Urdu literature, in which he highlights his unique critical insight.In this paper, books have been researched and critically reviewed regarding the criticism of Muhammad Hameed Shahid's fiction*

**Key Words:** HameedShahid, Fiction,Urdu Criticism, Various Genres.

اُردو تنقید کی ابتدائی نقوش اُردو کے تذکروں سے ملتے ہیں، جن میں شاعری کی تاریخ کے ساتھ شعرا کے کلام کی خوبیوں اور خامیوں کا تعین کیا جاتا تھا۔اس ضمن میں محمد حسین آزاد کا تذکرہ "آبِ حیات" کی اہمیت مسلم ہے، جس میں اُردو شعرا کا عہد بہ عہد تذکرہ کیا گیا علاوہ ازیں محمد حسین نے آزاد نے زبان کے متعلق بھی نظریہ پیش کیا کہ اُردو زبان برج بھاشا سے نکلی ہے ۔اس کے بعد مولانا الطاف حسین حالی کی "مقدمہ شعر و شاعری" اُردو کی باقاعدہ تنقیدی کتاب ہے، جو 1893ء میں شایع ہوئی اور اُردو میں اصولِ تنقید کی پہلی کتاب ہے، جس میں شاعری کی ماہیت، اصنافِ سخن، محاسن اور اصلاح پر نہایت معقول مدلل اور مفکرانہ بحث کی گئی ہے،(1) حالی نے اس کتاب میں جس طرح سے تنقیدی شعور کو پیش کیا۔وہ ان کو اپنے معاصرین ناقدین سے نا صرف الگ کرتا ہے بل کہ یہ کہا جاتا ہے کہ حالی نے تنقید میں نئی راہ نکالی ہے، جس کو بنیاد بنا کر بعد نے اُردو ناقدین نے اپنی تنقیدی راہوں کا تعین کیا۔حالی کے بعد شبلی نعمانی کی کتاب "شعر العجم" کی جلد چہارم میں تنقیدی نظریات ملتے ہیں۔گویا حالی، شبلی اور آزاد نے تنقیدی اصولوں کو وضع کرنے کی کامیاب کوشش کی، جس کے اثرات اس عہد کے ناقدین وحید الدین سلیم، امداد امام اثر، مہدی افادی اور حامد اللہ افسر وغیرہ کی تنقید میں ملتے ہیں۔

چونکہ قیام پاکستان کے بعد ادب میں تقسیم اور فسادات کو موضوع بنایا گیا۔اس لیے تنقیدی میدان میں بھی یہی موضوع زیرِ بحث رہا۔اس زمانے میں "ممتاز شیریں" کی ادارت میں شایع ہونے والا جریدہ "نیا دور" کا فسادات نمبر چھپا، جس سے نظریاتی ادب کے مباحث ہماری تنقید میں شامل ہوئے، جن ناقدین نے ان مباحث پر اپنا تنقیدی نقطۂ نظر پیش کیا ۔ان میں محمد حسن عسکری، ممتاز شیریں، سلیم احمد، انتظار حسین، ڈاکٹر شوکت سبزواری اور ڈاکٹر احسن فاروقی وغیرہ شامل تھے۔اُردو تنقید کی روایت میں تخلیق کاروں نے بھی قارئین کے سامنے اپنے تنقیدی نظریات کو مختلف مضامین کی صورت میں دیکھایا ہے۔ان میں محمد حسن عسکری، سلیم احمد۔فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر رشید امجد، آصف فرخی، مبین مرزا، ڈاکٹر ناصر عباس نیر، ڈاکٹر ضیا الحسن، ڈاکٹر نجیبہ عارف اور محمد حمید شاہد وغیرہ شامل ہیں۔اس فہرست میں شامل تمام ناقدین بطور شاعر، انشائیہ نگار اور افسانہ نگار مستحکم شناخت رکھتے تھے۔عصرِ حاضر میں محمد حمید شاہد اُردو فکشن کی تنقید کا معتبر حوالہ ہیں۔ان کی فکشن کی تنقید پر شایع ہونے والی کتب درج ذیل ہیں:

1۔ادبی تنازعات 2000ء

2۔اُردو افسانہ: صورت و معنی 2006ء

3۔کہانی اور یوسا سے معاملہ 2011ء

4۔سعادت حسن منٹو: جادوئی حقیقت نگاری اور آج کا افسانہ 2013ء

5۔اُردو فکشن: نئے مباحث 2016ء

محولا بالا کتب کی فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ تنقید کے میدان میں محمد حمید شاہد کا محبوب موضوع فکشن ہے، ان کتب کے علاوہ ملکی اور غیر ملکی معتبر جرائد میں تنقیدی مضامین شایع ہو رہے ہیں، جن میں فکشن کی عملیات، تعمیراتی بناوٹ اور فکر و فن کے تجزیے کیے گئے ہیں۔

محمد حمید شاہد کی "ادبی تنازعات" کے عنوان سے کتاب تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے، جس کو پروفیسر رؤف امیر نے مرتب کیا ہے۔ حمید شاہد کتاب کے دیباچے میں تنقید نگاری کی اہمیت اور ناقد کے منصب اور فرائض پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ناقد میں مسلسل جستجو اور مطالعے کی ریاضت، مختلف علوم میں مشترکہ اقدار تلاش کرنے کی ریاضت اور اپنے لیے واضح فکری رجحان متعین کرنے کی ریاضت ہونی چاہیے۔(2)

اس کتاب میں متنوع موضوعات پر مضامین شامل ہیں، جن میں فکشن کے باب میں لکھے جانے والے مضامین اہمیت کے حامل ہیں۔ ان مضامین میں افسانے کی ذیل میں رشید امجد، ڈاکٹر انور زاہدی، حمیدہ معین رضوی اور منشا یاد کے افسانوں کے فکر و فن پر لکھتے ہیں جب کہ ناول کے باب میں مظہر السلام کے ناول "محبت: مردہ پھولوں کی سمفنی"، اشرف شاد کا ناول "بے وطن"، ارشد چہال کا ناول "دھندلے کوس"، مقصود الٰہی شیخ کا ناول "دل اک بند گلی" اور منشا یاد کا پنجابی ناول "ٹاواں ٹاواں تارا" پر مضامین شامل ہیں۔ اس فہرست میں خاص بات یہ ہے کہ فکشن میں نئے افسانوں اور ناولوں کے بیانیے، تکنیک، موضوع اور کردار نگاری پر اپنی رائے دیتے ہیں، جن کو پڑھ کر قاری متن پڑھنے میں دلچسپی ظاہر کرتا ہے۔ مثلاً مقصود الٰہی شیخ کے ناول پر مضمون ان جملوں پر ختم کرتے ہیں، جو ناول کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں:

> "سعدیہ اور مظہر کا کردار ان کے بیچ تعلق کی نوعیت دونوں کی جذباتی سطوح اور نفسیاتی تجزیہ وہ عناصر ہیں، جو ہمیں علم کی اخلاقی سطح سے کہیں آگے سوچنے پر مجبور کرتے ہیں اور میں سمجھتا ہوں یہ خاصیت ہی اس ناول کو زندہ رکھے گی۔"(3)

اسی طرح ارشد چہال کے ناول پر اظہار کرتے ہوئے ایسے سوالات کی طرف نشان دہی کی ہے، جس کا ادراک عام قاری نہیں کر سکتا ہے یعنی قاری کے ذہن میں ناول کو پڑھنے سے قبل ایک راہ متعین کر دی کہ وہ ذہنی طور پر تیار رہے۔ ناول پر اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "ارشد چہال بنیادی طور پر Pragmatist ہے۔ ایسا عملیت پسند، جو نہ تو قنوطی ہے اور نہ ہی رجائی۔ وہ ان دنوں کے بیچ کہیں ہے جسے آپ میلورزم کی سٹیٹ بھی کہہ سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس کا ناول 'کیا ہے' کی بحث کرتا ہے اور 'کیوں ہے'؟ کے لیے محض ہمارے سامنے، ہمارے اپنے ذہنی مانیٹر کی سکرین پر Icon بناتا ہے، جو ہماری اپنی ذہنی سپر سوفٹ استعداد کے مطابق ایک نئے جہاں معنی کی نئی نئی Windows کھول سکتا ہے۔"(4)

فکشن کی تنقید پر دوسری کتاب "اُردو افسانہ: صورت و معنٰی" کے عنوان سے 2006ء میں آئی، جو مکمل طور پر افسانے کی تنقید پر ہے۔ اس کتاب کے مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں افسانے کے نظری اور عملی مباحث پر بھرپور بات کی گئی ہے۔ کتاب کے ابتدائیہ میں حمید شاہد کے تنقیدی نظریات پر یٰسین آفاقی کا مضمون شامل ہے، جس میں انھوں نے حمید شاہد کی فکشنی تنقید کو نیا تنقیدی منہاج کہا ہے۔(5) علاوہ ازیں حمید شاہد کا مختصر افسانہ اور ناول، ناولٹ میں فرق کے متعلق نقطۂ نظر کو بھی واضح کیا ہے۔ کتاب کے پہلے مضمون میں افسانے کے بیانیہ کے متعلق کہا کہ جب بھی افسانے کے بیانیہ پر بات ہوتی ہے تو جملے کی ساخت کو پورے متن پر رکھ کر دیکھا نہیں جاتا ہے اور نہ ہی نامیاتی وحدت پر بات ہوتی ہے بیانیہ کے متعلق حمید شاہد رائے:

> "کوئی واقعہ بیان ہو رہا ہو یا منظر نامہ، کوئی مکالمہ ہو یا مختلف زمانوں کے بیچ یادوں اور احساسات کا سلسلہ جس میں زمانے آپس میں گڈمڈ ہو جاتے ہیں۔۔۔ سب نامیاتی وحدت میں ڈھل کر ہی فکشن بن پاتے ہیں اور جونہی یہ فکشن بنتے ہیں، سارا متن بیانیہ ہو جاتا ہے۔"(6)

عمومی طور پر ہم افسانے کو شارٹ سٹوری یعنی مختصر افسانہ کہتے ہیں لیکن حمید شاہد کے نزدیک شارٹ سٹوری کا مطلب مختصر افسانہ نہیں ہے بلکہ یہ خرابی ہے اس ضمن وہ لکھتے ہیں:

> "ہمارے ہاں Shot Story کا عین مین ترجمہ "مختصر افسانہ" قرار پایا ہے اور Short Fiction کہتے ہوئے یہ تصور باندھ لیا گیا ہے کہ افسانہ تو ناول کا منی ایچر ہے۔ میں سمجھتا ہوں یہی خرابی کی بنیاد ہے اور اسی خرابی سے بچنے کے لیے یہ تسلیم کیا جانا ضروری ہے کہ شارٹ سٹوری کا اُردو متبادل 'افسانہ' ہے 'مختصر افسانہ' نہیں۔۔۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ماننا ضروری ہے کہ ہمارے ہاں کا افسانہ ناول کی قطعاً تصغیری صورت نہیں ہے۔"(7)

محولا بالا اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف افسانے کے ساتھ مختصر کے لاحقے کو بے معنی سمجھتے ہیں۔اُردو افسانے کے آغاز کے حوالے سے عمومی جو رائے بنی ہے ۔حمید شاہد اس سے بھی انحراف کرتے ہیں۔ان کے خیال میں فکشن کا آغاز غالب کے خطوط سے ہوتا ہے کیونکہ غالب نے اپنے خطوط میں واقعات کو براہِ راست اور اختصار سے کہنے کی اختراع کی اور متن سے ذاتی طور پر اپنی وابستگی کا احساس بیدار کیا ہے۔

حمید شاہد افسانہ، ناولٹ اور ناول کی روایتی تعریفوں "افسانہ تو زندگی کی ایک پھانک ہے، ناولٹ ایک آدمی کی زندگی، جب کہ ناول اسی فرد کی تہذیبی زندگی ہے" سے اختلاف کرتے ہوئے بطور نقاد منفرد نظریہ رکھتے ہیں۔وہ روایتی تقسیم کو نہیں مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُردو ناول کی تاریخ میں ایسے بھی کامیاب ناول ہیں، جو زندگی کے انتہائی مختصر دورانیے اور چند کرداروں پر ہیں۔انہیں ناول مانا جاتا ہے اور کوئی ناقد ان کو افسانہ یا ناولٹ کہنے کو تیار نہیں ہے۔اسی طرح متعدد افسانے ہیں، جس میں تہذیبی زندگی کی مکمل گھما گھمی عیاں ہوتی ہے۔اس ضمن میں مصنف کرشن چندر کا ناول "شکست"، جس کا دورانیہ تین ماہ ہے اور غلام عباس کا افسانہ "آنندی" کی مثال دیتا ہے، جس کا دورانیہ کئی برسوں پر محیط ہے۔افسانہ کے حوالے سے حمید شاہد، حسن عسکری کی رائے سے اتفاق کرتے ہیں، جن کے مطابق افسانہ ایک قسم کا نہیں ہوتا بلکہ یہ متعدد تیکنیکس میں اور متنوع ہوتا ہے۔(8)

حمید شاہد افسانے کے اسلوب پر بھی منفرد نقطۂ نظر رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسلوب شخصیت کے اظہار کا نام نہیں بلکہ تخلیقی ذات کا مکمل اظہار ہے یعنی وہ اسلوب کو محض شخصیت اور کردار کا عکس نہیں قرار دیتے ہیں۔ان کے نزدیک تخلیقی عمل کے دوران تخلیق کار کو اس ساری صورتِ حال سے جڑ کر متن تخلیق کرنا چاہے۔اس تخلیق کا جو بھی آہنگ بنے وہی اسلوب ہو گا یعنی اسلوب تخلیق کار وجود سے جنم لیتا ہے۔(9)

اُردو افسانے کی روایت کے حوالے سے شمس الرحمن فاروقی اور انتظار حسین کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہوئے ابتدائی قصوں کا احسان مانتے ہیں، جو بے شک طبع زاد نہیں لیکن اسی مٹی کی خمیر سے اُگے ہیں۔گویا وہ افسانے کے آغاز میں قدیم قصوں کو اہمیت دیتے ہیں۔چاہے ان قصوں کی زبان کوئی بھی ہو۔

کتاب میں شامل حمید شاہد کا مضمون "اُردو افسانہ: اہم نشانات" اہمیت کا حامل ہے، جس میں تقریباً 130 افسانہ نگاروں کے افسانوی مجموعوں کا تعارف اور افسانوی فکر پر مدلل اور انتہائی جامع انداز میں تجزیہ کیا ہے۔اس کے علاوہ 100 افسانہ نگاروں کا نام اور ان کے مجموعے بتائے ہیں۔بھارت میں مقیم دس افسانہ نگاروں کے نام اور ان کا ایک ایک افسانے کا نام بھی لکھا ہے۔ مضمون کے آخر میں اکیسویں صدی کے علامتی اور تاریخی افسانہ نگار نیر مسعود اور شمس الرحمن فاروقی کے فکشن پر جامع انداز میں بات کی ہے۔اس مضمون کی اہمیت کا اندازہ ہم اس سے بھی لگا سکتے ہیں کہ اُردو کے نامور محققین اور ناول نگاروں نے اس مضمون پر رائے دی ہے مثلاً مستنصر حسین تارڑ کی رائے ملاحظہ کیجیے:

> "محمد حمید شاہد کا "اُردو افسانہ: اہم نشانات بامیان کے تباہ کر دیے جانے والے بدھ مجسموں کی سی عظمت لیے ہوئے ہے۔۔۔میں نے اُردو افسانے کے بارے میں اتنا مبسوط اور تفصیلی مضمون آج تک نہیں پڑھا۔"(10)

حمید شاہد کے اس مضمون کے متعلق ڈاکٹر نجیبہ عارف کی رائے بھی اہمیت کی حامل ہے کیونکہ ان کے نزدیک فلیش بیک کی تکنیک افسانے اور ناول میں استعمال ہوتی ہے لیکن حمید شاہد نے اپنے اس تنقیدی مضمون میں افسانوی فلیش بیک کی تنقید کو استعمال کر کے مکالماتی انداز کے ذریعے دلچسپی پیدا کرنے کی نا صرف کامیاب کوشش کی ہے بل کہ اپنے ساتھ قاری کو افسانوی تاریخ کی سیر بھی کراتے ہیں۔(11)۔اس مضمون کے حوالے اُردو کے نامور محقق، تاریخ نویس اور نقاد ڈاکٹر انور سدید نے کہا کہ اس میں اُردو افسانے کا مکمل سروے پیش کیا گیا ہے اور یہ ممتاز شیریں کے مقالے "اُردو افسانے میں تکنیک کا تنوع" کے ہم پلہ ہے۔(12)ان ناقدین کی آرا سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ حمید شاہد کا یہ مضمون اُردو افسانے کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔

فکشن کی تنقید پر دوسری کتاب بعنوان "کہانی اور یوسا سے معاملہ "حمید شاہد اور محمد عمر میمن کے مابین ہونے والے مکتوباتی مکالمے پر مشتمل ہے۔اس مکالمے کا محرک "ماریو برگس یوسا" کی کتاب Letters to a young Novelist بنی۔ان مکالموں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حمید شاہد نئے ناقدین کی تنقید میں تنقیدی رجحانات سے اختلاف کرتے ہیں۔ان کے نزدیک آج کا نوجوان نقاد تخلیقی عمل کی تفہیم کے بجائے لسانی، ساختیاتی اور جدید تھیوریز کی وضاحتیں کر کے اپنی توانائی ضایع کر رہے ہیں اور اس سے ادب کو بھی نقصان ہو گا یعنی محمد حمید شاہد نے نئی تنقید سے عدم تحفظ کا اظہار کرتے ہوئے رولاں بارتھ کو اپنے چند بیانات کو تبدیل کرنے کا مشورہ تک دے دیا کیونکہ ان کے نزدیک اس کے بغیر تخلیقی بھید کو سمجھا نہیں جا سکتا ہے۔مثلاً

| رولاں بارتھ کے بیانات | | ترمیم کی مجوزہ صورتیں |
|---|---|---|
| 1۔لکھنا در اصل ہر نقطہ آغاز کا ختم کر دیا جانا ہے۔ | = | لکھنا عدم کو وجود میں لانا اور نامکمل کی تکمیل کی طرف لے جانا ہے |

| | | |
|---|---|---|
| 2۔مصنف اپنی موت کی طرف بڑھتا ہے؛تحریر کا آغاز ہوتا ہے۔ | = | مصنف اپنی شناخت مستحکم کرتا ہے؛تحریر کا آغاز ہوتا ہے۔ |
| 3۔یہ مصنف نہیں زبان بولتی ہے۔ | = | زبان گونگی ہوتی ہے یا پھر معنی کی سطح پر مڑھی ہوئی جھلی کی طرح،یہ مصنف ہی ہے جو اسے ڈھنگ سے بولنا سکھاتا اور اس پر معنیاتی امکانات کھولتا ہے۔(13) |

محولا بالا نکات سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف رولاں بارتھ کے بیانات سے نہ صرف اختلاف کرتا ہے بلکہ تخلیقی متن کی تفہیم کی مختلف صورتوں پر بھی رائے دیتا ہے کہ کوئی بھی لکھاری جب تخلیقی عمل سے گزرتا ہے تو غیر مرئی چیز کو وجود بخشتا ہے،متن کی زبان کے ذریعے سماج میں معنیاتی امکانات کو بڑھاتا ہے،جس سے مصنف کی شناخت بھی مستحکم ہوتی ہے۔اس کتاب کے ضمیمے میں "اُردو افسانہ اور آفاقی تنقید کے قتلے" کے عنوان سے افسانے کی مبادیات کے حوالے سے اہم مضمون شامل ہے،جو کہ حلقۂ ارباب ذوق،اسلام آباد کی نشست میں پڑھا جانے والا ڈاکٹر اقبال آفاقی کے مضمون کے جواب میں لکھا گیا ہے۔مضمون کے آغاز میں افسانے کی مجموعی فضا کو تاریخی پس منظر کے ساتھ پیش کیا گیا ہے بعد ازاں فکشن کے متعلق آفاقی کے نقطۂ نظر کا جواب مکمل دلائل کے ساتھ دیا ہے مثلاًان کے نزدیک آفاقی نے افسانے میں حقیقت نگاری کے حوالے سے ترقی پسندوں کو مانا ہے،جس کے جواب میں دلیل دیتے ہوئے کہا کہ ترقی پسند تحریک کے علمبردار فیض احمد فیض نے بھی پریم چند کی حقیقت نگاری کو محدود قرار دیا تھا۔اس کے علاوہ وہ آفاقی کے مضمون میں افسانے میں تھیوری کے استعمال کو نہیں مانتے ہیں۔مصنف آفاقی کی اس رائے سے اتفاق کرتے نظر آتے ہیں علاوہ ازیں افسانے میں وقت کا بہاؤ،تصوریت،تصوف کے مسائل پر آفاقی کی آرا کے جواب میں افسانے کی مبادیات کی تشریح کرتے ہیں۔

اُردو کے سب سے مقبول اور متنازع افسانہ نگار سعادت حسن منٹو کے افسانوی متن کی تعبیر پر کتاب بعنوان "سعادت حسن منٹو: جادوئی حقیقت نگاری اور آج کا افسانہ" لکھی،جس میں منٹو کے افسانوں کی معنیاتی تشکیل کر کے اپنا نقطۂ نظر بیان کیا ہے۔اس کے علاوہ شمس الرحمٰن فاروقی پر کی منٹو فہمی پر متعدد سوالات بھی اٹھائے گئے ہیں۔کتاب کا آغاز مصنف کے خط بنام شمس الرحمٰن فاروقی سے ہوتا ہے،جس میں منٹو پر فاروقی کی کتاب "ہمارے لیے منٹو صاحب" کے حوالے گفتگو کرتے ہوئے ایک طرف تو تعریف کرتے ہوئے کتاب کو تنقید کے کرشموں میں ایک کہا تھا تو دوسری طرف وہ منٹو کے افسانوں کے حوالے سے ان کی تعبیرات کو مسترد کیا گیا ہے۔اس ضمن میں منٹو کے افسانہ "کھول دو" میں ازار بند "کھول دو" کی تشریح سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ڈاکٹر کا کہا لفظ سکینہ کی سماعت سے ٹکرانے سے قبل ہی گر جاتا ہے،جس سے "کھول دو" کا لفظ ہی بہت تھا،جس سے اس کی نفسیات جڑی ہے۔یہاں حمید شاہد کے نزدیک فاروقی نے اس قرینے کو نظر انداز کیا ہے جب کہ ایک جملے کو بار بار دہرائے جانے والے عمل کی کئی صورتیں نکل سکتی ہیں،جن کا تذکرہ فاروقی صاحب نے نہیں کیا ہے۔(14)

شمس الرحمٰن فاروقی کی "شعر شور انگیز" سے میر شناسی کے ادب کے قارئین بھی معترف ہیں لیکن حمید شاہد کے بقول منٹو کے ساتھ میر کا تذکرہ سمجھ سے بالاتر ہے کیونکہ میر کے ہاں شاعرانہ استعمال والے قرینے کا موازنہ منٹو کی فکشن کی زبان سے نہیں کیا جا سکتا ہے۔اس بحث سے قاری یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ حمید شاہد کے نزدیک منٹو اور میر کا میدان ہی الگ ہے۔ان کے تخلیقی متن کا موازنہ بنتا ہی نہیں ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی منٹو کے افسانے "دھواں اور بو" کو کمزور افسانہ قرار دیتے ہیں جب کہ حمید شاہد ان افسانوں کو شاہکار گردانتے ہیں۔اس حوالے یہ فاروقی صاحب کی تنقید پر سوالات اٹھاتے ہیں کہ آپ کبھی تو منٹو کو میر سے اور کبھی اقبال کی رومانویت سے موازنہ کرتے ہیں،جو بنتا ہی نہیں ہے۔

کتاب کا آخری مضمون "جادوئی حقیقت نگاری اور آج کا افسانہ" کے عنوان سے شامل ہے،جس میں منٹو کا افسانہ "فرشتہ" اور آج کے افسانے کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس باب میں شمس الرحمٰن فاروقی نے "فرشتہ" کو جادوئی حقیقت نگاری کا آغاز کہا ہے کیونکہ فنی حوالے سے علامتی اور تجریدیت کا عکس نظر آتا ہے۔جب کہ مصنف کے نزدیک آج کے افسانے کو بھی منٹو کی کہانیوں سے وابستہ رہنا چاہیے کیونکہ حقیقی باطنی تہہ داری کے ساتھ خارج کی دنیا کا عکس بھی عیاں ہونا چاہیے۔

چونکہ محمد حمید شاہد نے ادب کی تمام اصناف پر اپنی تنقیدی بصیرت سے لکھا اس لیے ان کی تنقید کا اسلوب بھی موضوع کے مقابل اور طریقۂ کار کے مطابق تبدیل ہو جاتا ہے۔ان کے تنقیدی اسلوب کی خاصیت سے ہے کہ وہ کسی بھی موضوع پر تنقید کرتے ہوئے تاریخی تناظر فراہم کرتے ہیں،جس سے تنقید جیسے خشک موضوع میں دلچسپی بنا لیتے ہیں ۔اس کی مثال سعادت حسن منٹو کے افسانوی تعبیر پر کی جانے والی بحث ہے،جس میں فنی مہارت سے تنقید کے ساتھ متن کے اہم واقعات کا حوالہ دے کر اسلوب سلیس اور دلچسپ بنا لیتے ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7615

محمد حمید شاہد نے فکشن پر کی جانے والی تنقید میں کہیں کہیں خطوط کی تکنیک کو مکالماتی انداز میں بیان کیا ہے تو مختلف ناقدین کے خطوط کا جواب دیتے ہوئے سادہ عام فہم الفاظ، چھوٹے اور رواں جملے لکھتے ہیں۔ وہ اپنی تنقید میں ثقیل اور جدید تنقیدی اصطلاحات برتنے سے اجتناب کرتے ہیں لیکن "کہانی اور یوسا سے معاملہ "میں افسانے کے مبادیات پر بات کرتے ہوئے پیچیدہ اور گنجلک اسلوب اپناتے ہیں، جس کو عام قاری سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ ایسے تنقیدی مضامین، جن میں فن پاروں کی تعبیر اور تجزیہ کیا ہے وہاں پہلے تخلیق کار کے مزاج اور اسلوب کو سامنے لاتے ہیں اور ایک وحدت کے ساتھ تنقیدی تھیوری کو پیش کرتے ہیں۔

مجموعی حوالے محمد حمید شاہد کا شماران ناقدین میں ہوتا ہے، جنھوں نے کسی مخصوص تحریک یا رجان سے متاثر ہو کر تنقید نہیں کی اور نہ ہی جدید تھیوریز کو مد نظر رکھ کر متن کو پرکھنے کے جتن کیے ہیں بلکہ ادب کی ہر صنف کے فکر و فن کے حوالے منفرد نظریہ رکھتے ہیں اور جہاں کہیں شمس الرحمٰن فاروقی جیسے نامور نقاد کی افسانوی تفہیم سے اختلاف کرتے ہوں تو اس کا بے باک اظہار کرتے ہیں۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اکیسویں صدی کے تخلیق کاروں میں حمید شاہد مستحکم شناخت رکھتے ہیں، جنھوں نے فکشن کے ساتھ ساتھ اُردو تنقید کو بھی ثروت مند بنایا ہے۔

## حوالہ جات

1۔ڈاکٹر عبادت بریلوی، "اُردو تنقید کا ارتقا"، کراچی: انجمن ترقی اُردو، 1980ء، ص:158

2۔ محمد حمید شاہد، "ادبی تنازعات"، اسلام آباد: حرف اکادمی، 2000ء، ص:14

3۔ایضاً، ص:249

4۔ایضاً، ص:243

5۔ محمد حمید شاہد، "اُردو افسانہ: صورت و معنٰی"، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، 2006ء، ص:16

6،ایضاً، ص:25

7۔ایضاً، ص:29

8۔ایضاً، ص:36

9۔ایضاً، ص:50

10۔ مستنصر حسین تارڑ، مکتوب بنام مدیر، مشمولہ "سمبل"، راولپنڈی، اکتوبر تا دسمبر 2006ء، ص:262

11۔ نجیبہ عارف، مکتوب بنام مدیر، مشمولہ "سمبل"، ص:384

12۔ ڈاکٹر انور سدید، مکتوب بنام مدیر، مشمولہ "سمبل"، ص:384

13۔ محمد حمید شاہد، "کہانی اور یوسا سے معاملہ"، فیصل آباد: مثال پبلشرز، 2011ء، ص:21

14۔ محمد حمید شاہد، "سعادت حسن منٹو: جادوئی حقیقت نگاری اور آج کا افسانہ"، کراچی: شہر زاد، 2013ء، ص:28